

اصلاح معاشرہ: مولانا اشرف علی تھانوی کی کوششیں اور طریق کار

(Social Reformation: A Study of *Mawlānā Ashraf 'Alī Thānōī's* Efforts and Approach)

*شازیہ بانو

**کلثوم پراچہ

Abstract

This paper studies the efforts and approach of a renowned Islamic scholar of the subcontinent *Mawlānā Ashraf 'Alī Thānōī* (1863–1943) regarding social reformation. It finds that *Thānōī* has considered the reformation of the society as one of the major goals of worship. To him societal issues are more important than supererogatory acts of worship. He vigorously battled against societal evil and innovations in religion. He also laid a great stress on prescribing proper remedies for spiritual ailments of the people. If his writings, style of expression, thought and teachings are made a part of the curriculum in the light of modern requirements and facts, a moral and pious society can be formed which can get rid of the present degeneration and inaction.

Key words: Social reformation, *Ashraf 'Alī Thānōī*, approach

نام ور ہندوستانی عالم دین مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ (1863ء-1943ء) نے اصلاح معاشرہ کے حوالے سے عملی کوششیں جس ماحول میں شروع کیں وہ کچھ اس طرح کا تھا کہ انگریز کی سرپرستی سے عیسائیت اور ہندی ثقافت فروغ پذیر تھی۔ دہلی کے ایک کوتوال گنگا دھرم نہرو (جو موتی لال نہرو کا والد تھا نے 1870ء میں دہلی میں اینگلو سنسکرت کالج قائم کیا، جس کا ذریعہ تعلیم ہندی تھا۔ اس کے بعد سے ہی اردو ہندی بحث چل پڑی۔ اس سے پہلے مدارس

* اسٹنٹ پروفیسر اسلامیات، گورنمنٹ ڈگری کالج برائے خواتین، چوگنی نمبر 14، ملتان

** اسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ و تقابل ادیان، دی ویمن یونیورسٹی، ملتان

میں ذریعہ تعلیم اردو تھا۔ اس تحریک میں انگریزوں کا خفیہ ہاتھ تھا۔¹ اس کے ساتھ ایک طرف ہندوستان میں ہندو اکثریت کو زیادہ سیاسی حقوق کا مستحق قرار دیا جا رہا تھا اور برطانوی انتظامیہ ہندوؤں کو اسی بناء پر زیادہ سیاسی حقوق دینا چاہتی تھی دوسری طرف مسلمانوں کو مشتعل کرنے والی تحریکوں کی سرپرستی بھی جاری تھی۔ ہندوؤں میں دیانند سرسوتی نے آریہ سماج اور تحفظ گاؤ کشی کی مہم شروع کی۔ شردھانند² اور ڈاکٹر مونجے شدھی³ اور سنگھٹن⁴ اور راشٹریہ سیوک سنگھ⁵ جیسی تحریکیں وجود میں آئیں۔ تفرقہ کا ایک اور محاذ عیسائی مبلغین کا تھا جو باقاعدہ اسکیم کے تحت کلیسا قائم کر رہے تھے۔ سرکاری اسکولوں میں انجیل کی تعلیم لازمی کی گئی، فوجیوں میں عیسائیت کی حوصلہ افزائی کی گئی، اخباروں اور رسالوں میں اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ پر حملے شروع ہوئے۔ اس وقت مسلم قائدین اور علما نے بڑی جرات سے اس مہم کا مقابلہ کیا۔ سرسید نے "اسباب بغاوت ہند" میں مشنریوں کو بغاوت کا ذمہ دار قرار دیا۔ مولانا چراغ علی (1844ء-1895ء)، مولانا رحمت اللہ کیرانوی (1818ء-1891ء) نے مسیحی مشنریوں کے الزامات و دعاوی کے جواب میں کتابیں لکھیں۔⁶ دیوبند کے اکابرین نے بھی مناظروں اور جلسوں کے ذریعے حکمرانوں کے عزائم پر گرفت

¹ عبدالرحمن خان، سیرت اشرف (ملتان: نشر المعارف، 1956ء)، 2: 64، 65۔

² شردھانند (1856ء-1926ء) مہاتما مننٹ راموج کے نام سے بھی مشہور ہیں۔ ایک ہندوستانی ماہر تعلیم اور آریہ سماج کے ایک مبلغ تھے، جنھوں نے دیانند سرسوتی کی تعلیمات کی اشاعت کی۔ انھوں نے کئی تعلیمی ادارے قائم کیے، مثلاً گرو کول کالج یونیورسٹی اور سنگھٹن اور شدھی، 1920ء کی دہائی میں ایک ہندو اصلاحی تحریک میں مرکزی کردار ادا کیا۔

³ ڈاکٹر مونجے نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف شدھی اور سنگھٹن کی تحریکیں شروع کیں۔ یہ کانگریسی تھے۔ انھوں نے اعلانیہ مسلمانوں کو ہندو قومیت میں ضم کرنے کا عزم ظاہر کیا اور اس مقصد کے لیے اپنی تحریکیں جاری کیں۔ دیکھیے: ڈاکٹر معین الدین عقیل، مسلمانوں کی جدوجہد آزادی (لاہور: مکتبہ تعمیر انسانیت، 1984ء)، 107۔

⁴ یہ تحریک ایک فرقہ وارانہ جماعت تھی جس کا بنیادی مقصد ہندوؤں کو ایسی تعلیم و تربیت سے روشناس کرانا تھا کہ وہ اپنی حفاظت اور نظم و نسق کے ساتھ مخالفین کا اچھی طرح مقابلہ کر سکیں۔ اس تحریک کا بانی انتہا پسند پنڈت مد بن مالویہ تھا۔ جس کا مقصد ہندوستان کو مکمل طور پر ہندوؤں کے لیے بنانے اور مسلمانوں کو یہاں سے نکالنے کے لیے سنگھٹن جیسی پر تشدد تحریک کا آغاز کیا، جس کا مقصد مسلمانوں کو شدھی بنانا تھا اگر وہ نہ مانیں تو انھیں سنگھٹن یعنی قتل کرنا تھا۔

⁵ راشٹریہ سوانم سیوک سنگھ یا آریس ایس بھارت کی ایک ہندو تنظیم، یہ خود کو قوم پرست تنظیم کہلاتی ہے، یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ چند دہشت گرد معاملوں میں اس تنظیم کا ہاتھ رہا ہے۔ اس کی اشاعت 1925ء میں ناگپور میں ہوئی۔ اس کا بانی کیثوا بلی رام بیڑ گیوار ہے۔ یہ بھارت کو ہندو ملک گردانتا ہے اور اس تنظیم کا اہم مقصد بھی یہی ہے۔ بھارت میں برطانوی حکومت کے دوران میں ایک بار اور آزادی کے بعد تین مرتبہ اس تنظیم کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔

⁶ ڈاکٹر معین الدین عقیل، مسلمانوں کی جدوجہد آزادی (لاہور: مکتبہ تعمیر انسانیت، س-ن)، 91، 92۔

کر رہے تھے، اس مقصد کے لیے مولانا اشرف علی تھانوی "اصلاح المسلمین" کی تنظیم عمل میں لائے۔⁷ 1914ء کی جنگ عظیم اول کے بعد سلطنت عثمانیہ کے کمزور ہو جانے سے، روس، برطانیہ، فرانس، جرمنی، اٹلی، یونان اور آسٹریلیا دنیا کے اسلام پر ٹوٹ پڑے اور اپنی اپنی کوششوں کے مطابق انہیں ہضم کرنے لگے۔⁸ ہندوستان میں بھی مسلمان رہنماؤں کو اپنا مستقبل مایوس کن اور بے کیف نظر آ رہا تھا۔ آزادی سے کچھ پہلے مسلمان مالی، تعلیمی، اقتصادی، تنظیمی غرض ہر اعتبار سے دیگر قوموں کے مقابلے میں پسماندہ تھے۔ ان حالات میں مولانا اشرف علی تھانوی مسلم قومیت کی انفرادیت اور تہذیب و تمدن کی حفاظت کے بڑے حامی تھے اور متحدہ قومیت کے نظریہ کو مسلمانوں کے لیے نقصان کا باعث قرار دیتے تھے۔ یہی بحث آپ کے اساتذہ دیوبند سے اختلاف کا سبب بنی اور آپ نے دارالعلوم دیوبند کی سرپرستی سے استعفیٰ دے دیا۔⁹ مسلم لیگ 1937ء کے اجلاس منعقدہ پٹنہ کے موقع پر آپ نے قائد اعظم محمد علی جناح (1876ء-1946ء) کو اپنا حمایتی پیغام ارسال کیا تھا اور 1938ء اور 1939ء میں جناح کے پاس دینی امور پر بحث کے لیے معتمدین کو بھیجا۔ 1940ء کی قرارداد سے متعلق مولانا تھانوی نے فرمایا: "ان شاء اللہ فتح ہوگی، اگر میں زندہ رہا تو اس کے لیے کام کروں گا۔"¹⁰ اپریل 1943ء میں دہلی میں آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس میں صحت کی کمزوری کے سبب شرکت سے معذرت کی۔ مگر آپ نے اس موقع پر اپنے دو رسالے "حیات المسلمین" اور "صیانت المسلمین" ارسال فرمائے اور انہیں مسلم لیگ کے دستور کی حیثیت سے اختیار کرنے کی تلقین فرمائی۔¹¹ اس مضمون میں آپ کے اصلاح معاشرہ سے متعلق افکار و نظریات اور اس سلسلے میں اختیار کردہ اسلوب و منہج کا مطالعہ پیش نظر ہے۔

اصلاح معاشرہ کی اہمیت

اسلامی تعلیمات کا مقصد اصلاح معاشرہ ہے۔ تمام عبادات کے پیچھے یہی مقصد کار فرما ہے۔ مولانا اشرف علی تھانوی نے عوام میں رہ کر ان کی اصلاح کی کوشش کی۔ آپ نے مسلمانوں کی سیاسی جدوجہد میں عملاً شریک ہونے کی بجائے ان کے اصلاح اخلاق و معاشرت کی طرف خصوصیت سے توجہ دی اور صوفیہ کرام کی طرح لوگوں کو ذکر و شغل میں محدود نہ

⁷ عقیل، مسلمانوں کی جدوجہد آزادی، 92۔

⁸ عقیل، مسلمانوں کی جدوجہد آزادی، 79۔

⁹ Ishtiq Husain Qureshi, 'Ulamā In Politics (Delhi :Renaissance Publishing House), 1985.

¹⁰ Ishtiq Husain Qureshi, 'Ulamā In Politics, 375.

¹¹ مفتی وکیل احمد شیروانی، مختصر تعارف صیانت المسلمین (لاہور: جامعہ اشرفیہ، س-ن)، 12۔

رکھا جیسا کہ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ: "میری نظر ذکر و شغل پر اس قدر نہیں ہے، جس قدر کہ اصلاح اخلاق و معاشرت پر ہے کیونکہ اس کا تعلق دوسروں سے ہے۔"¹²

نظم و ضبط

مولانا کے مطابق مسلمانوں کے ہاتھوں سے جو سلطنت گئی وہ بد نظمی ہی کی وجہ سے گئی ہے۔ سلطنت کفر کے ساتھ تو جمع ہو سکتی ہے لیکن بد انتظامی کے ساتھ ہر گز جمع نہیں ہو سکتی۔ اس لیے بوجہ شامت اعمال مسلمانوں کے اندر سے سلطنت کا مادہ ہی نکال لیا گیا ہے۔¹³ ان کا کہنا تھا کہ معاشرت کو تو لوگوں نے دین کی فہرست ہی سے نکال دیا ہے، سمجھتے ہیں کہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، ذکر و شغل، تلاوت قرآن، نقلیں بس ان چند چیزوں کے متعلق احکام ہیں، آگے جو چاہیں کرتے پھریں جس کے معنی آج کل آزادی کے ہیں۔ سو خوب سمجھ لو کہ تم کو ہر گز ہر گز آزاد نہیں چھوڑا گیا ہے، بلکہ شریعت نے ہماری رفتار و گفتار، نشست و برخاست، لین دین، کھانے پینے ہر چیز سے تعرض کیا ہے شریعت مکمل قانون ہے۔¹⁴ ایک اور مقام پر معاملات اور معاشرت کا باہمی موازنہ کرتے ہوئے معاشرت کی اہمیت کو یوں اجاگر کرتے ہیں: "معاملات سے معاشرت کا اہتمام زیادہ ضروری ہے، کیونکہ معاملات کی اصلاح میں تو زیادہ لوگوں کے مال کی حفاظت ہے اور حسن معاشرہ میں مسلمانوں کے قلب کی حفاظت ہے اور ظاہر ہے کہ مال سے دل کا رتبہ بڑھا ہوا ہے نیز معاشرت کی اصلاح میں علاوہ قلوب کے لوگوں کی آبرو کی بھی حفاظت ہے۔"¹⁵ ان کی نظر میں معاشرت صرف شریعت کا ایک جزو ہی نہیں بلکہ "بعض وجوہ سے امور معاشرت ان عبادات سے بھی زیادہ ضروری ہے اس لیے کہ عبادت میں اگر کوتاہی ہو تو یہ خود اپنا نقصان ہے۔ بخلاف امور معاشرت میں کوتاہی سے دوسروں کو ایذا ہوتی ہے۔"¹⁶ آپ کا کہنا ہے کہ بعض لوگ بڑے بڑے عہدوں پر ہیں لیکن معاشرت کے بعض جزئیات کا ان کو خیال نہیں حالانکہ تمدن کے مدعی ہیں اور معاشرت کے تمام آداب کا تعلق تمدن سے ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ ان بزرگوں اور عالموں کے یہاں تو بڑی بڑی باتوں کی تعلیم ہوتی ہے۔ معاشرتی زندگی کے ان جزئیات کی تعلیم بڑے بڑے لوگوں کی تعلیم میں نہیں ملے گی، اس کی وجہ بقول مولانا یہ ہے کہ ان جزئیات کی تعلیم دینے سے معتقدین کے دور ہونے کا خیال ہوتا ہے اور اگر علمائے معمولی معمولی باتوں کی تعلیم دینا شروع کی تو ان کو معمولی درجے کا مولوی سمجھا جانے لگا۔ مولانا تھانوی ازراہ انکساری کہتے ہیں کہ میں چونکہ چھوٹا اور سب سے ادنیٰ

¹² مجذوب، اشرف السوانح، 3: 38۔

¹³ خان، سیرت اشرف، 1: 229۔

¹⁴ مولانا اشرف علی تھانوی، الافاضات الیومیہ (ملتان: ادارہ تالیفات اشرفیہ)، 4: 204۔

¹⁵ مولانا اشرف علی تھانوی، دعوات عبیدیت (کراچی: مطبوعہ مکتبہ تھانوی)، 2: 58۔

¹⁶ حکیم محمود احمد ظفر، چودھویں صدی کا عظیم مصلح (لاہور: اشاعت خاص ماہنامہ "الحسن"، جامعہ اشرفیہ، 1987)، 1: 329۔

ہوں اس لیے میرے یہاں چھوٹی چھوٹی باتوں کی تعلیم ہوتی ہے۔ حضور ﷺ کو چھوٹی چھوٹی باتوں کی طرف اسی قدر التفات اور ان کا بھی اتنا ہی اہتمام تھا جتنا کہ بڑی باتوں کا تھا۔¹⁷

معاشرتی جزئیات پر نظر

مولانا اشرف علی تھانوی نے معاشرتی زندگی کی اصلاح کی جزئیات کی طرف نہایت اہتمام اور تفصیل کے ساتھ توجہ فرمائی۔ ان میں سے صرف چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

1- ایک معمولی بات ہے کہ کرسی کہیں سے اٹھا کر دوسری جگہ جہاں راستہ ہے بچھائیں گے اور وہیں چھوڑ کر چلیں جائیں گے۔ اب کوئی اندھا پانچ آیا وہ گر پڑتا ہے۔ بعض چار پائی ایسے مواقع پر چھوڑ دیتے ہیں کہ آنے جانے والوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ اس معمولی سی کوتاہی میں نہ صرف یہ کہ تعلیم یافتہ بلکہ ایسے لوگوں کا بھی معمول ہے، جو بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہیں، لیکن تمدن کے آداب سے ناواقف ہیں۔¹⁸ 2- کسی کا خط مت دیکھو نہ حاضرانہ جیسے بعض آدمی لکھنے میں دیکھتے ہیں اور نہ غائبانہ، اسی طرح کسی کے سامنے رکھے ہوئے کاغذات اٹھا کر مت دیکھو شاید وہ شخص کسی کاغذ کو پوشیدہ رکھنا چاہتا ہو۔ 3- بعض آدمی مجلس میں پہنچ کر سب سے الگ الگ مصافحہ کرتے ہیں اگرچہ سب سے تعارف نہ ہو جس میں بہت وقت صرف ہوتا اور فراع تک تمام مجلس مشغول اور پریشان رہتی ہے۔ مناسب یہ ہے کہ جس کے پاس قصد کر کے آئے ہو اس کے مصافحہ پر قناعت کرو البتہ اگر دوسروں سے بھی تعارف ہو تو مضائقہ نہیں۔¹⁹ 4- کسی ایسے شخص سے کوئی ایسی چیز مت مانگو کہ تم کو قرآن سے یقین ہو کہ وہ باوجود گرانی کے بھی انکار نہ کر سکے گا۔ اگر مانگنا بطور رعایت یا قرض کے ہی کیوں نہ ہو اگر یقین ہو کہ اس کو گرانی نہ ہو گی یا اگر گرانی ہوئی تو یہ آزادی سے عذر دے گا تو مضائقہ نہیں اور یہی تفصیل ہے کسی کام کو بتلانے میں، کوئی فرمائش کرنے میں، کسی کی سفارش کرنے میں، اس میں آج کل بہت تساہل ہے۔²⁰ 5- منجملہ ان حقوق کے جو ایک مسلمان کے دوسرے مسلمانوں پر ہیں، عیادت یعنی بیمار پر سی ہے۔ اس کے بھی آداب ہیں ان میں بھی افراط و تفریط ہو رہی ہے چنانچہ بعض آدمی دوسرے سے بیمار کو پوچھتے ہی نہیں

¹⁷ مولانا اشرف علی تھانوی، علم و عمل بعنوان "العلم والخشية" (لاہور: مکتبہ اشرفیہ، ذی الحجہ 1407ھ)، 349۔

¹⁸ مولانا اشرف علی تھانوی، آداب انسانیت بعنوان "عمل الذرہ" (ملتان: ادارہ تالیفات اشرفیہ، 1411ھ)، 524، 526۔

¹⁹ خان، سیرت اشرف، 2: 64، 65۔

²⁰ مولانا اشرف علی تھانوی، آداب المعاشرت (لاہور: مطبوعہ مکتبہ مدینہ)، 160۔

یہ تفریط ہے اور بعض جو پوچھنے جاتے ہیں تو بجائے اس کے کہ بیمار کو ان سے راحت ہوتی یہ اور اگلے موجب تکلیف بنتے ہیں مثلاً وہاں جا کر زیادہ دیر تک بیٹھا رہے، یہ تکلیف کی بات ہے۔²¹

یہ وہ روز مرہ پیش آنے والی چند مثالیں ہیں ان ہی سے مولانا تھانوی کی اس معاشرتی تجدید کے رجحان کا اندازہ ہوتا ہے کہ معاشرت کا کئی دینی امور سے بعض وجہ سے اور کسی سے تمام وجوہات کی بنا پر مقدم و مستم بالشان ہونا ثابت ہے۔ مولانا تھانوی فرمایا کرتے تھے کہ حسن معاشرت اور ادب و تہذیب کی اصل حقیقت یہی ہے کہ دوسروں کو کوئی اذیت و کدورت نہ ہونے پائے اور ان کی راحت کی تابہ امکان ہر چھوٹی بڑی بات میں رعایت ہو۔ اس میں اگر کوتاہی ہو تو نفلی عبادات روزہ، نماز، تنک بیکار ہیں غرض اصلاح معاشرہ کی اہمیت اور لوگوں میں آداب کے معاملہ میں غفلت کی بنا پر مولانا تھانوی کو عبادات و معاملات کے فرائض و واجبات کے بعد اعمال میں خود بھی سب سے زیادہ ان کا اہتمام تھا اور دوسروں کو بھی اس کی روک ٹوک اور تاکید برابر رہتی۔²²

معاشرتی اصلاح میں محبتِ عقلی کا کردار

مولانا تھانوی نے معاشرتی اصلاح کے حوالے سے چند بنیادی اصول بیان کیے ہیں۔ محبتِ طبعی تو طبعی ہی ہے، لیکن محبتِ ارادی کو آپ محبتِ عقلی کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں اور محبتِ عقلی کو محبتِ طبعی پر ترجیح دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں: "انسان محبتِ طبعی کے ازالہ کا بوجہ اس کے طبعی ہونے کے مکلف نہیں ہے اور باب اخلاق میں یہ ایک اصل عظیم ہے۔ اخلاق میں جو مجبول و طبعی ہیں (جبلت اور طبیعت کے تقاضے) وہ غیر مقدور (انسان کے بس میں نہیں) ہیں اور جو مکسوب (جن کو محنت سے حاصل کیا جا سکتا ہے) ہیں وہ مقدور (انسان کی رسائی میں) ہیں بعض سالکین قسم اول کے پیچھے پڑ جاتے ہیں وہ ہمیشہ مشوش (پریشان فکر) رہتے ہیں ان لوگوں کو محقق (صاحب نظر صوفی) ہدایت کرتا ہے کہ عقلی کی تحصیل (ارادہ اور عقل کی اساس پر اعمال) کرو طبعی (امور) کے درپے مت ہو سوان محققین کا اتباع کرنے والا راحت میں رہتا ہے۔"²³ اسی حوالے سے مزید فرماتے ہیں: "ابوطالبؓ کو حضور ﷺ نے طبعی محبت تھی نہ کہ عقلی۔ اس لیے وہ (طبعی محبت) کچھ بھی کام نہ آئی، اگر ان کو (عقلی محبت) ہوتی تو سب سے پہلے وہ ایمان لاتے۔"²⁴ مولانا تھانوی اکثر فرمایا کرتے تھے "طبیعت کو عقل کے تابع رہنا چاہیے اور عقل کو شریعت کے۔" ان کی اپنی کی ساری گفت گو شریعت اور عقل کے تابع ہوتی تھی۔ آپ کی کتابیں،

²¹ مولانا اشرف علی تھانوی، دعواتِ عبدیت، وعظِ ششم، بعنوان "حقوق المعاشرت (کراچی: مکتبہ تھانوی)، 1: 20۔

²² ڈاکٹر سید ابرار علی، مولانا اشرف علی تھانوی کا طریقہ اصلاح، 53۔

²³ مولانا اشرف علی تھانوی، مسائل السلوک (لاہور: ادارہ اسلامیات، ستمبر 1990ء)، 92، 93۔

²⁴ علی، مولانا اشرف علی تھانوی کا طریقہ اصلاح، 66۔

مواعظ اور ملفوظات اس بات کے شاہد ناطق ہیں۔ آپ کوچ فہمی، بد فہمی، جہالت اور دور از عقل باتوں سے طبعی طور پر نفرت تھی۔ یہی وجہ تھی کہ بڑے بڑے عالمان دین آپ سے گفت گو کرنے سے گھبراتے اور آنکھ چراتے تھے۔²⁵

معاشرتی اصلاح کا ایک ضابطہ

مولانا تھانوی کے مطابق یہ قاعدہ کلیہ عمر بھر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جو امور اختیار میں ہوں اور فضول نہ ہوں ان ان کا تو قصد کرے اور جو اختیار میں نہ ہوں ان کا قصد نہ کرے اس طرح اگر زندگی بسر کرے تو اس کا دین و دنیا دونوں درست ہو جائیں۔²⁶ اس اصول کو مولانا تھانوی نصف سلوک بلکہ کل سلوک قرار دیتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان ہی کاموں کے کرنے کا حکم اور ان ہی امور کا ذمہ دار قرار دیا ہے جو انسان کے بس اور اختیار میں ہیں۔²⁷ مولانا تھانوی نے اپنے اس حکیمانہ اصول کے ذریعے طالبین اصلاح کے بہت سے روحانی و باطنی امراض کا علاج کیا اور بہت سے لوگوں کی اصلاح ہو گئی نیز اسی اصول کے بنا پر بہت سی جزئیات اخذ کیں۔ ایک مجلس میں آپ نے فرمایا: "انفعالات (طبیعت پر نیک افعال کے اثرات مرتب ہونا)، غیر اختیاری اور افعال (اعمال) اختیاری ہیں اور وہی اس طریق میں مطلوب ہیں انفعالات مطلوب نہیں ان کی فکر میں پڑنا خود اپنے لیے پریشانی خریدنا ہے۔"²⁸ اسی حوالے سے مزید فرمایا: "انفعالات کو (اللہ تعالیٰ کے) قرب میں دخل نہیں جیسے اگر نماز میں کوئی کیفیت نہ ہو نہ وجدی ہو نہ استغراقی (بے خودی یا محویت) تو نماز میں کیا نقص! وہ نماز کامل ہے ان انفعالات کی بالکل ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص حسین ہو اور سرکاری دفتر میں ملازم ہو تو اس کو حسن کی وجہ سے تنخواہ تھوڑا ہی مل رہی ہے اور نہ حسن کی وجہ سے تنخواہ میں ترقی ہوئی وہ تو جو کچھ بھی ہے کام کی بدولت ہے۔"²⁹ اسی اصول کی بنا پر ایک عجیب نکتہ بیان فرمایا کہ: "تبلیغ کرنا تو اختیاری ہے اور ثمرہ مرتب ہونا غیر اختیاری ہے۔ لہذا تبلیغ کو مقصود سمجھا جائے جو اختیاری ہے اور ثمرات کو مقصود نہ سمجھا جائے جو کہ غیر اختیاری ہے۔"³⁰ مولانا نے بہت ہی موثر اور مختلف انداز میں وساوس کے مضر اثرات سے بچانے اور ان کے علاج کی کامیاب کوشش فرمائی۔ وساوس کی وجہ سے جو پریشانی ہوتی ہے اس کا علاج تجویز کرتے ہوئے فرمایا: "بعض دفعہ سالک کو وساوس اور توہمات سے پریشانی ہوتی ہے، مثلاً کفر کے خیالات آنے لگتے ہیں، جس سے یہ اپنے آپ کو کافر سمجھنے لگتا ہے

²⁵ مولانا اشرف علی تھانوی، الافاضات الیومیہ (ملتان: ادارہ تالیفات اشرفیہ)، 6: 177۔

²⁶ تھانوی، الافاضات الیومیہ، 82۔

²⁷ تھانوی، الافاضات الیومیہ، 83۔

²⁸ مفتی محمد شفیع، مجالس حکیم الامت (کراچی: دارالاشاعت، 1396ھ)، 324۔

²⁹ تھانوی، الافاضات الیومیہ، 1: 225۔

³⁰ علی، مولانا اشرف علی تھانوی کا طریقہ اصلاح، 88۔

حالانکہ یہ غلطی ہے۔³¹ بہر حال اپنے اس اصلاحی اصول کی بنا پر کہ غیر اختیاری فعل پر مواخذہ نہیں مولانا فرماتے ہیں کہ چونکہ وسوسے سے غیر اختیاری ہیں اس لیے وساوس پر مواخذہ نہیں۔ تاہم وساوس کے پیدا ہونے کا ایک سبب یہ بیان کرتے ہیں کہ جب نفس کو ذکر میں مشغول نہ کیا جائے تو پھر وساوس آنے لگتے ہیں۔³² بعض طبائع، وساوس کی وجہ سے پریشان فکری میں مبتلا ہو جاتی ہیں اور اس کے قلع قمع کو ضروری تصور کرتی ہیں اور ایسا نہ ہونے کے سبب ان پر غم کی کیفیت وارد ہو جاتی ہے اور مایوسی کا شکار ہو جاتی ہیں، ایسے میں مولانا تھانوی اس کا علاج بالحد تجویز کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "وسوسہ کا علاج مسرور ہونا ہے، جس کو یہ مرض لاحق ہو اس کے لیے لازم ہے کہ محزوں نہ ہو ہمیشہ مسرور و خوش رہے۔"³³ دراصل مسرت اس امر کی ہے کہ انسان کے پاس متاع ایمان موجود ہے، اسی لیے اس پر شیطانی حملے ہو رہے ہیں اور اس کو مایوس کرنے کی کوششیں ہو رہی ہیں۔

خوف ورجا

مولانا تھانوی اپنے طریقہ اصلاح میں خوف ورجا کی کیفیت کی اہمیت ذہن نشین کراتے ہیں کہ آدمی نہ اتنا خوف کھائے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہی مایوس ہو جائے اور نہ اتنی امید کہ گناہ پر دلیر ہو جائے۔ مسلمانوں کی اصل حالت یہ ہونی چاہیے کہ خوف اور شوق ملا ہوا ہو دیکھو! نبیوں کی حالت، اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا۔ *يَذُوعُونََنَا وَرَغَبًا وَرَهَبًا*³⁴ "وہ پکارتے ہیں ہم کو شوق اور خوف سے۔" اسی اصول اصلاح کے حوالے سے مولانا نے حضرت عمر کا قول نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ "اگر قیامت کے میدان میں یہ پکارا جائے کہ صرف ایک شخص جنت میں جائے گا تو مجھے یہ امید ہوگی کہ وہ شخص میں ہوں اور اگر یہ پکارا جائے کہ صرف ایک شخص دوزخ میں جائے گا مجھے یہ خوف ہوگا کہ وہ شخص میں ہی ہوں۔"³⁵ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بندے کا متوازن تعلق اسی وقت رہتا ہے جب وہ خوف ورجا کے بین بین رہے۔ اگر ان میں سے کسی ایک وصف کا غلبہ ہو جائے تو توازن بگڑ جاتا ہے اگر رجائیت غالب ہو جائے تو انسان اللہ تعالیٰ کے عدل سے بے پرواہ ہو جاتا ہے اور یہ چیز انسان کو اباحت کی طرف لے جاتی ہے اور اللہ اور اس کے بندوں کے حقوق کے بارہ میں نہایت لاپرواہی برتتا ہے اور اگر خوف کا غلبہ ہو جائے تو اس سے اس کے اندر مایوسی اور قنوطیت راہ پاتی ہے، اور یہ چیز انسان کے لیے بڑے فتنے کا باعث ہیں۔³⁶

³¹ علی، مولانا اشرف علی تھانوی کا طریقہ اصلاح، 106۔

³² علی، مولانا اشرف علی تھانوی کا طریقہ اصلاح، 123۔

³³ علی، مولانا اشرف علی تھانوی کا طریقہ اصلاح، 103۔

³⁴ سورہ الانبیاء 21: 90۔

³⁵ تھانوی، تسہیل الموعظ، بعنوان "نفس کی اصلاح" (سہارنپور: مکتب خانہ امداد الغربا، 1335ھ)، 3: 31۔

³⁶ علی، مولانا اشرف علی تھانوی کا طریقہ اصلاح، 130۔

تحلیل نفسی

مولانا تھانوی طالبین اصلاح کو اصلاح کا مقصد اور اس کی غرض و غایت اس طرح ذہن نشین کراتے کہ خود طالب اصلاح سے براہ راست سوال و جواب کے ذریعے یا خط و کتابت کے ذریعے صحیح مقصد اور غرض و غایت متعین کراتے۔ پھر اس کے بعد کبھی تو ایسا ہوتا کہ مریض کو اس کا اصل مرض بھی بتا دیتے اور کبھی مرض ظاہر کیے بغیر اس کا علاج کرتے۔ ان تمام صورتوں میں اس بات کا بھی خاص اہتمام کرتے کہ مریض کا حال سوائے طبیب اور مریض کے کسی کو معلوم نہ ہو اور یہ راز میں رہے، لیکن اس علاج کے دوران مریض کو تسلی بھی دیتے کہ مرض ناقابل علاج نہیں، ہمیشہ پر امید رکھتے اور مایوس نہیں ہونے دیتے مولانا کے اس طریقہ کار کو نفسیات میں تحلیل نفسی یا اس کے مشابہ قرار دیا جا سکتا ہے۔³⁷

نبوی طریق اصلاح کی پیروی

نبوی طریقہ اصلاح گھر سے اصلاح شروع کرنا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے: **وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ**۔³⁸ مولانا تھانوی نے بھی اسی نبوی اصلاح کے طریقہ کو اپنایا اور اپنے گھر سے اس کو شروع کیا۔ اپنے اعزہ کے ہاں اگر ایسی شادی بیاہ کی تقریبات ہوتیں جن میں منکرات و بدعات کا دخل ہوتا تو حضرت نہ صرف اس میں شرکت نہ فرماتے بلکہ ان منکرات و بدعات کو ہر ممکن روکنے کی کوشش فرماتے۔

بدعات سے احتراز کی تعلیم

مولانا تھانوی نے مروجہ بدعات عرس، تیجہ، دسواں، چہلم وغیرہ کی نہ صرف تردید کی بلکہ اصلاح کی بھی کوشش کی۔ چنانچہ ایک مقام پر بدعت کے بارے میں فرمایا: ایک پہچان بدعت کی بتلائے دیتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ جو بات قرآن و حدیث، اجماع و قیاس چاروں (شرعی ماخذ) میں سے کسی ایک سے بھی ثابت نہ ہو اور اس کو دین سمجھ کر کیا جائے وہ بدعت ہے۔ اس پہچان کے بعد دیکھ لیجیے کہ ہمارے بھائیوں کے جو اعمال ہیں مثلاً عرس کرنا، فاتحہ دلانا، تخصیص اور تعین (دن، وقت اور امور کی شکلوں) کو ضروری سمجھ کر ایصال ثواب کرنا وغیرہ جتنے اعمال ہیں کسی اصل سے ثابت نہیں ہیں اور ان کو دین سمجھ کر کیا جاتا ہے یا نہیں۔ اگرچہ خواص کا عقیدہ ان مسائل میں خراب نہیں، لیکن یہ فقہ حنفیہ کا مسئلہ ہے کہ خواص کے جس مستحسن امر سے جب کہ وہ مطلوب عند الشرع نہ ہو، عوام میں خرابی پھیلے، خواص کو چاہیے کہ اس امر کو ترک کر دیں۔ ہاں اگر وہ امر مطلوب عند الشرع ہو اور اس میں کچھ منکرات مل گئے ہیں، تو منکرات کے مٹانے کی کوشش کریں گے اور اس امر کو نہ چھپائیں گے، مثلاً اگر جنازہ کے ساتھ منکرات بھی ہوں تو مشایعت جنازہ

³⁷ علی، مولانا شرف علی تھانوی کا طریقہ اصلاح، 299۔

³⁸ الشعراء، 214:26۔

(جنازہ کے ساتھ جانے) کو ترک نہ کریں گے، کیونکہ مشائعت جنازہ کی مطلوب عند الشرح ہے۔ پس ایصال ثواب میں تعین وقت مطلوب عند الشرح نہیں۔ اگرچہ مباح ہے اور چونکہ تعین سے عوام میں خرابی پھیلتی ہے، اس لیے ہم تعین کو ترک کر دیں گے۔ البتہ اگر ساری امت کا یہ عقیدہ ہو جائے کہ وہ تعین کو ضروری نہ سمجھے تو ہم خواص کو بلکہ سب کو تعین کی اجازت دے دیں گے۔ لیکن حالت موجودہ میں (جبکہ اکثر کا یہ خیال ہے کہ خاص تاریخوں میں اور خاص چیزوں کو ثواب پہنچانے سے زیادہ مقبولیت ہوتی ہے اور یہ خلاف شریعت ہے) کیسے اجازت دے دی جائے۔ ایک تو تخصیص اور تعین قابل ترک ہے، دوسرے جو ہیبت ایصال ثواب کی اختراع کر رکھی ہے وہ قابل ترک ہے۔ مجھ سے ایک دیہاتی (آج کل تو علما بھی یہی بات کہتے ہیں) کہنے لگا کہ اگر ایصال ثواب کے وقت کھانے پر چند سورتیں پڑھ لی جائیں تو ہرج ہی کیا ہے۔ میں نے جواب دیا کہ جس مصلحت سے کھانے پر سورتیں پڑھی جاتی ہیں کبھی روپے یا کپڑے پر کیوں نہیں پڑھی جاتی اور نیت میں اصلاح کرنی ضروری ہے کیونکہ اکثر یہ نیت ہوتی ہے، ہم ان کو ثواب پہنچائیں گے تو ان سے ہمارے دنیا کے کام نکلیں گے۔³⁹ ایک اور مقام پر بدعت کے کی وضاحت کرتے ہوئے یوں فرمایا: پس جاننا چاہیے کہ بعد خیر القرون کے جو چیزیں ایجاد کی گئی ہیں ان کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ کہ ان کا سبب داعی بھی جدید ہے اور وہ موقوف علیہ (جن پر کوئی چیز موقوف ہوتی ہے) کسی مامور بہ (جن کا شریعت میں حکم دیا گیا ہے) کی ہیں کہ بغیر ان کے اس مامور بہ پر عمل نہیں ہو سکتا۔ جیسے کتب دینیہ کی تصنیف اور تدوین اور مدرسوں اور خانقاہوں کی بنیاد حضور ﷺ کے زمانہ میں ان میں سے کوئی شے نہ تھی۔ اور سبب داعی ان کا جدید ہے اور نیز یہ چیزیں موقوف علیہ، ایک مامور بہ کی ہیں۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ یہ سب کو معلوم ہے کہ دین کی حفاظت سب کے ذمہ ضروری ہے۔ اس کے بعد سمجھیے کہ زمانہ خیریت نشان میں دین کی حفاظت کے لیے وسائط محدثہ (نئے وجود میں آنے والے واسطے) میں سے کسی شے کے ضرورت نہ تھی۔ تعلق مع اللہ یا بلفظ آخر (بالفاظ دیگر) نسبت سلسلہ سے بہ برکت حضرت نبوت، سب مشرف تھے۔ قوت حافظہ اس قدر قوی تھی کہ جو کچھ سنتے تھے وہ سب ذہن نشین ہو جاتا تھا، فہم ایسی عالی پائی تھی کہ اس کی ضرورت ہی نہ تھی کہ سبق کی طرح ان کے سامنے تقریریں کریں۔ ورع و تدبیر (تقویٰ اور دین داری) بھی غالب تھا۔ بعد اس زمانہ کے، دوسرا زمانہ آیا۔ غفلتیں بڑھ گئیں، قوی کمزور ہو گئے، ادھر اہل ہوی (خواہش پرستوں) اور عقل پرستوں کا غلبہ ہوا۔ تدین مغلوب ہونے لگا۔ پس علمائے امت کو قوی اندیشہ، دین کے ضائع ہونے کا ہوا۔ پس ضرورت اس کی واقع ہوئی کہ دین کی کج بیج اجزا (تمام اجزا کے ساتھ) تدوین کی جاوے۔ چنانچہ کتب دینیہ حدیث، اصول حدیث، فقہ اور اصول فقہ تصنیف ہوئیں۔ اور ان کی تدریس کے لیے مدارس تعمیر کیے گئے۔ اسی طرح نسبت سلسلہ کے اسباب تقویت و بقا (رسول اللہ ﷺ سے نسبت کے تعلق کو قائم رکھنے اور مضبوط بنانے) کے لیے بوجہ عام رغبت نہ رہنے، کے مشائخ نے خانقاہیں بنائیں۔ اس لیے کہ بغیر ان چیزوں کے دین کی حفاظت کی کوئی صورت نہ تھی۔ پس یہ چیزیں وہ ہوئیں کہ سبب

ان کا جدید ہے کہ وہ سبب خیر القرون میں نہ تھا اور موقوف علیہ، حفاظت دین مامور بہ کی ہیں۔ بس یہ اعمال گو صورتاً بدعت ہیں لیکن واقعہ میں بدعت نہیں، بلکہ حسب قاعدہ مقدمۃ الواجب واجب (کسی ضروری اور لازمی چیز کا پیش خیمہ بھی واجب اور ضروری) ہے۔ اور دوسری قسم وہ چیزیں ہیں جن کا سبب قدیم ہے جیسے مجالس میلاد مروجہ اور تہیجہ، دسواں، چہلم وغیرہ من البدعات کہ اس کا سبب قدیم ہے مثلاً میلاد منعقد کرنے کا سبب فرح علی الولادة النبویہ ہے (رسول اللہ ﷺ کی ولادت باسعادت کی خوشی و مسرت) اور یہ سبب حضور ﷺ کے زمانہ میں بھی موجود تھا۔ لیکن حضور ﷺ نے یا صحابہ نے یہ مجالس منعقد نہیں کیں۔ کیا (نعوذ باللہ) صحابہ کا فہم یہاں تک نہیں پہنچا۔ اگر سبب اس کا اس وقت نہ ہوتا تو البتہ یہ کہہ سکتے تھے کہ نشان کا موجود نہ تھا لیکن جب کہ باعث اور بنا اور مدار موجود تھا پھر کیا وجہ ہے کہ نہ حضور ﷺ نے کبھی مجلس میلاد منعقد کی اور نہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے۔ پس جس شے کو باوجود اس بنا (بنیاد) اور مدار کی موجودگی کے حضور ﷺ نے کیا نہ صحابہ نے ایسی شے کا حکم یہ ہے کہ وہ بدعت ہے صورتاً بھی اور معنماً بھی۔⁴⁰ من احدث فی امرنا هذا مالیس فیہ فہورد۔⁴¹ اس حدیث میں داخل ہو کر واجب الرد (ان کی تردید ضروری) ہیں اور پہلی قسم مامنہ میں داخل ہو کر مقبول ہے۔ یہ قاعدہ کلیہ ہے بدعت اور سنت کے پہچانے کا۔ اس سے تمام تر جزئیات کا استنباط (اخذ) ہو سکتا ہے۔ اور ان دو قسموں میں ایک اور فرق عجیب ہے کہ پہلی قسم کے تجویز کرنے والے خواص یعنی علما ہوتے ہیں اور اس میں عوام تصرف نہیں کرتے اور دوسری قسم کے تجویز کرنے والے عوام کا لانعام ہوتے ہیں اور وہی اس میں ہمیشہ تصرفات کیا کرتے ہیں۔⁴²

احتساب

مورخین نے لکھا ہے کہ ذرہ عمر سے بھی شاید کوئی ہی شخص بچا ہو اسی طرح مولانا تھانوی کے دائرہ احتساب سے بھی شاید ہی کوئی بچا ہو۔ چنانچہ ایک مرتبہ متعلقین میں سے ایک نے کہہ ہی دیا کہ حضرت! آپ بہت سخت ہیں، فرمایا بھئی میں سخت تو نہیں ہوں اگر سخت ہوتا تو آپ لوگ مجھے چھوڑ کر بھاگ جاتے۔ بات صرف یہ ہے کہ تم بے اصول ہو چکے ہو میں تمہیں اصول کی بات بتاتا ہوں اس وجہ سے تمہیں سخت معلوم ہوتا ہوں۔⁴³ مزید فرمایا: "جن لوگوں کا مجھ سے

⁴⁰ ظفر، چودھویں صدی کا عظیم مصلح، 317۔

⁴¹ ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری (دمشق: دار ابن کثیر، 1990ء)، حدیث نمبر: 2697۔

⁴² ظفر، چودھویں صدی کا عظیم مصلح، 1: 217۔

⁴³ علی، مولانا اشرف علی تھانوی کا طریقہ اصلاح، 304۔

اصلاح کا تعلق ہے اس کی معمولی کوتاہی پر بھی میری نظر رہتی ہے۔ ان کی کسی حالت سے بھی کسی معیوب یا منکربات کا صادر ہونا مجھ کو سخت ناگوار ہوتا ہے اور اس معاملہ میں سخت دار و گیر کرتا ہوں۔"⁴⁴

مطالعہ کتب کے ذریعے اصلاح

اصلاح معاشرہ کے لیے آپ اچھی کتب کے مطالعے کی ترغیب دیتے۔ ان کا کہنا تھا کہ جو شخص مجھ سے بیعت کی درخواست کرتا ہے اول تو میں اس کو کتابیں دیکھنے کو لکھ دیتا ہوں۔ بالخصوص مواعظ کے مطالعہ کو تو میں اکثر لکھتا ہوں اور اس سے بہت نفع ہوتا ہے اور اگر کسی شخص نے یہ لکھا کہ ہم نے کتابیں دیکھی ہیں تو میں لکھتا ہوں کہ کتابیں دیکھ کر اپنی حالت میں کیا تغیر کیا۔ اس سے وہ نفع ہوتا ہے جو کہ برسوں کے مجاہدہ میں بھی نہیں ہوتا۔ میں تو اول روز ہی کام میں لگا دیتا ہوں مگر لوگ قدر نہیں کرتے۔ اصل چیز فکر ہے جب فکر میں پڑتا ہے تو راستہ تلاش کرتا ہے۔ بس میں اول ہی گفت گویا خط و کتابت میں طالب کے سر پر بوجھ رکھ دیتا ہوں بس اس کی وجہ سے اسے ایک فکر پیدا ہوتی ہے۔ اس فکر کی وجہ سے راستہ خود بخود منکشف ہونے لگتا ہے۔"⁴⁵ اپنی ایک تصنیف "حیات المسلمین" کے حوالے سے فرمایا کہ مجھے کو اپنی کسی تصنیف کے متعلق یہ خیال نہیں کہ یہ میرا سرمایہ نجات ہے البتہ "حیات المسلمین" کے متعلق میرا غالب خیال یہی ہے کہ اس سے میری نجات ہو جائے گی اس کو میں اپنی ساری عمر کی کمائی اور ساری عمر کا سرمایہ سمجھتا ہوں۔"⁴⁶

خلاصہ بحث

مولانا تھانوی کی نظر میں معاشرتی امور و معاملات نفلی عبادات سے زیادہ اہم تھے۔ ان کے منہج اصلاح میں اصلاح کا آغاز اپنے قریبی رشتہ داروں سے ہوتا ہے۔ ان کے ہاں غیر اختیاری امور اور کیفیات کے حصول کے درپے ہونے کی بجائے اپنے اختیار میں آنے والے افعال کے درست کرنے کو اور وساوس کو خاطر میں نہ لانے پر زور دیا گیا ہے۔ مولانا کے منہج اصلاح میں اعتدال کی کیفیت نمایاں تھی۔ ان کی نظر میں انسانی طبیعت اور مزاج کو عقل کے اور عقل کو شریعت کے تابع رہنا چاہیے۔ نظم و ضبط بہت ضروری ہے کہ سلطنت کفر سے چل سکتی ہے، بد انتظامی سے نہیں۔ مولانا تھانوی احتساب نفس کو بنیادی اہمیت دیتے آدمی اپنی خامیوں کو تلاش کرے۔ آپ نے بدعات سے اجتناب کو خصوصی اہمیت دی۔ آپ کے مواعظ، تصانیف، طرز بیان اور تعلیمات کو جدید تقاضوں اور حقائق کی روشنی میں نصاب و تدریس کا حصہ بنایا جائے تو یقیناً ایک نفیس اور متدین معاشرے کی تشکیل میں بہت مدد مل سکتی ہے۔

⁴⁴ علی، مولانا اشرف علی تھانوی کا طریقہ اصلاح، 180۔

⁴⁵ عبدالحجید مچھر ایوبی، مزید الحجید (تھانہ بھون: مکتبہ تالیفات اشرفیہ)، 75۔

⁴⁶ مچھر ایوبی، مزید الحجید، 304۔